السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کوئی آدمی نماز میں اس وقت شامل ہوتا ہے جب امام رکوع میں جاچکا ہوتا ہے تو اب اس مقتدی کے رکوع میں آنے سے وہ رکعت ہوئی یا نہیں؟ جماعت غرباء اہلحدیث والے اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت ہوجاتی ہے اس طرح دوسرے علماء اہل حدیث بھی مثلاً مولانا محمد جوناگڑھی، مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی رحمھم اللہ قائل ہیں لہذا تحقیق مطلوب ہے کہ اس مسئلہ میں اصل تحقیق کیا ہے؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

معلوم ہونا چاہئے کہ اس مسئلہ میں سلف سے لے کر خلف تک اختلاف رہا ہے مگر اس مسئلہ میں صحیح بات جس میں کوئی غبار نہیں اور جس کی تردید کا کوئی خوف وخطر نہیں وہ یہ ہے کہ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت نہ ہوئی، یعنی وہ رکعت دوبارہ پڑھنی پڑے گی اس سے پہلے کہ میں اس مسئلہ کے بارے میں تحقیق پیش کروں عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ کسی بھی بات یا مسئلہ کے حق سمجھنے کا معیار صرف دلیل ہی ہے جو کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ سے معلوم ہو حق کو شخصیتوں سے یا مخصوص لوگوں سے نہیں سمجھا جاتا یعنی یہ بات صحیح نہیں کہ چونکہ اس مسئلہ میں ایسے علماء کی یہ رائے ہے یا وہ اس پر عامل ہیں اس لیے بس یہ مسئلہ ایسا ہی ہے کیونکہ یہ قصہ ہی الٹا ہوا۔

یعنی حق کو شخصیتوں سے دیکھا جاتا ہے، حالانکہ اصل بات اس طرح ہے کہ خود شخصیتوں کو حق سے دیکھا جائے یعنی جو بات قرآن وسنت سے معلوم ہو اس کے ایسی شخصیتوں کو پرکھا جائے کہ ان کا قول وفعل حق سے موافق ہے تو ان کا عمل صحیح ہے ورنہ غلط اور ردوباطل ہے لہذا یہ کہنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا کہ علامہ شوکانی نے یہ فتویٰ لکھا ہے یا فلاں فلاں علماء اس کے قائل ہیں کیونکہ یہ علماء (مثلاً) رکوع میں شامل ہونے سے رکعت ہونے کے قائل ہیں تو دوسری طرف اس سے بڑے علماء ہیں۔

امام محدثین امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی اور دوسرے صحابہ اور شیخ الکل سید نذیر حسین غیرہم بلکہ امام بخاری نے اپنے رسالے جزء القراۃ میں نقل کیا ہے کہ جو بھی علماء مقتدی کو الحمد پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اور اس پر قراۃ فرض جانتے ہیں ان سب کا مسلک یہ ہے کہ رکوع میں شامل ہونے والا اپنی رکعت دوہرائے گا اب دیکھیں آپ نے جس کے لکھے ہیں ان سب کا شیخ سید نذیر حسین ہے ان کا مسلک بھی یہی ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت نہیں ہے بلکہ صرف ایک امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہی اس کے لیے کافی ہے کہ صحیح مسلک کونسا ہے۔

یعنی اگر حق یہ ہے کہ اس پر بڑے علماء عامل ہوں تو ظاہر ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سارے محدثین کے سرتاج ہیں۔ لہذا اس کا مسلک سب سے معتبر ہونا چاہئے لیکن میں نے عرض کیا کہ اصل یہ بات ہی صحیح نہیں ہے۔ ایک مسئلے میں اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسا آدمی کسی ایک بات کو صحیح سمجھتا ہو مگر ہم کو کتاب وسنت سے معلوم ہوجائے کہ ان کی بات صحیح نہیں ہے تو ہم ان کے مقلد نہیں ہیں، اس لیے اس کو چھوڑنا پڑے گا اور تابعداری حق کی کرنی ہوگی۔ یعنی کتاب وسنت کی نہ کہ کسی خاص فرد کی۔

بہرحال اس بیان سے آپ کو معلوم ہوچکا ہوگا کہ اگر غرباء اہلحدیث والے یا دوسرے علماء کرام اس بات کے قائل ہیں کہ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت وہ ہوجاتی ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہی بات واقعی اور فی نفس الامر صحیح ہے۔ بلکہ ہم کو براہ راست کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ہے اور دیکھنا ہے کہ ہمیں وہاں سے کیا رہنمائی ملتی ہے پھر جیسے ان دونوں چشموں سے ہمیں معلومات ملے ہم ان کو حق سمجھیں دوسری بات چھوڑ دیں پھر چاہے کسی کی بھی ہو۔

اس کے بعد میں پہلے وہ دلیل ذکر کرتا ہوں جس کو رکوع میں رکعت ہونے کے قائل پیش کرتے ہیں اور اس پر کلام کرنے کے بعد پھر صحیح مسلک کے دلائل پیش کیے جائیں گے۔

وما توفیقی الا باللہ!

دلیل اول: ......ابوداود کی سنن میں یہ حدیث اس سند سے منقول ہے:

(حدثنا محمد بن سلیمان عن زید بن ابی العتاب وابن المقبری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جئتم الی الصلاۃ ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوہا شیئا من ادرک رکعۃ فقد ادرک الصلاۃ))

''مطلب اس حدیث کا یہ خلاصہ ہے کہ جب نماز کی طرف آو اور ہم سجدے کی حالت میں ہوں تو تم بھی سجدے میں شامل ہوجاو مگر ان کو شمار نہ کرنا یعنی اس لیے تمہیں رکعت نہیں ملی اور جو رکعت میں پہنچ گیا وہ نماز میں پہنچ گیا۔''

رکوع کی رکعت کے قائل حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو رکعت کا لفظ ہے اس سے مراد رکوع ہے، لہذا مطلب یہ ہوا کہ جو رکوع مین حاضر ہوا وہ نماز میں یعنی پوری رکعت میں حاضر ہوگیا۔ یہ ہے ان کی دلیل کا خلاصہ اب ہمارے کلام کو انصاف سے سننا۔

(حدیث کی سند) اس حدیث کی سند میں ایک راوی یحیی بن ابی سلیمان ہے اس کے متعلق امام محدثین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (جزء القراۃ میں) ''ویحیی ہذا منکر الحدیث'' یعنی اس سند میں جو راوی یحیی ہے وہ منکر الحدیث ہے۔ اصول حدیث کے ماہر اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ امام بخاری کا کسی راوی کے بارے میں منکر الحدیث کے الفاظ استعمال کرنا اس کا اطلاق شدید جرح کی تقاضا کرتا ہے۔

اس کے علاوہ امام بخاری آگے فرماتے ہیں کہ :

((لم یتبین سماعہ عن زید ولا من ابن المقبری ولا تقوم بہ الحجۃ))

یعنی اس راوی ''یحیی کا زید اور ابن مقبری (سعید بن ابی السعید مقبری) سے سماع بھی واضح نہیں ہے۔ (اس لیے کہ یحیی حدثنا کے الفاظ نہیں کہتا بلکہ عن کا لفظ استعمال کرتا ہے جو سماع کے لیے مضبوط لفظ نہیں ہے بلکہ محتمل ہے) اور اس راوی سے دلیل اور حجت نہیں لی جاسکتی، یعنی یہ راوی حجت لینے کے قابل نہیں ہے۔

اور امام بیہقی کتاب المعرفۃ میں فرماتے ہیں کہ ''تفرد بہ یحیی بن ابی سلیمان ہذا ولیس بالقوي ''یعنی یہ الفاظ اس حدیث میں صرف یحیی نے نقل کیے ہیں اور وہ قوی راوی نہیں ہے اس طرح تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور میزان الاعتدال میں حافظ ذہبی نے نقل کیا ہے کہ حافظ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ''یکتب حدیثہ ولیس بالقوي ''یعنی اس راوی (یحیی) کی روایتیں لکھی تو جاسکتی ہیں مگر یہ قوی راوی نہیں ہے۔

مطلب کہ یہ راوی ضعیف ہے اس طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں کہ ''لین الحدیث ''یعنی حدیث کا یہ راوی کمزور ہے۔ البتہ ابن حبان اور حاکم اس کی توثیق کرتے ہیں مگر اول یہ کہ ابن حبان اور حاکم کا تساہل مشہور ہے مگر ان کے ہوتے بھی جب ان کی توثیق کے مقابلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے منکر الحدیث کے الفاظ موجود ہیں جس طرح اصول حدیث کے ماہر کو معلوم ہے کہ یہ الفاظ جرح مفسر ہیں اور جرح شدید ہیں اس لیے اس جگہ جرح کو تعدیل پر مقدم کیا جائے گا ''کما تقرر فی اصول الحدیث ''لہذا یہ راوی ضعیف ہوا جب اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے تو یہ حدیث صحیح کیسے ہوگی جب حدیث ہی صحیح نہ رہی تو اس سے اس مسئلے پر دلیل کیسے لی جائے گی۔

دوسری دلیل : ...... دار قطنی کی سنن میں ان الفاظ سے مرفوع حدیث آئی ہے کہ : ((من ادرک رکعۃ من الصلاۃ فقد ادرکہا قبل ان یقیم الامام صلبہ))

یعنی جو نماز میں امام کی پٹھ سیدھی کرنے سے پہلے رکوع میں پہنچ گیا تو وہ نماز میں پہنچ گیا یعنی رکعت ہوگئی۔''

اس حدیث کی سند میں ایک راوی یحیی بن حمید ہے جس کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''لایتابع فی حدیثہ ''یعنی یہ راوی ایسی احادیث لاتا ہے جن کی متابعت نہیں ہوتی اور خود امام دار قطنی نے بھی اس راوی کی تضعیف کی ہے اس طرح اس کی سند میں دوسرا راوی قرۃ بن عبد الرحمن ہے اس کے بارے میں جوزجانی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے سنا کہ یہ راوی ''منکر الحدیث جدا ''یعنی سخت منکر الحدیث ہے اور یحیی بن معین نے فرمایا کہ ''ضعیف الحدیث ''یعنی یہ راوی حدیث میں ضعیف ہے۔ اور ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ''لیس بالقوي ''یعنی یہ راوی قوی نہیں ہے۔ (کما فی التعلیق المغنی علی الدار قطنی) جب اس حدیث کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں تو یہ حدیث حجت لینے کے قابل کیسے ہوگی۔

(متن الحدیث الاول) اب پھر پہلی حدیث کے متن پر غور کریں کہ اس میں الفاظ یہ ہیں کہ جو رکعت میں پہنچ گیا وہ نماز میں پہنچ گیا اور رکعت کے لفظ کی حقیقی معنی پوری رکعت ہے صرف رکوع ان کی مجازی معنی ہے اور مجازی معنی پر عمل تب ہی کیا جاسکتا ہے جب حقیقی معنی وہاں نہ بن سکے اور کوئی قرینہ ہو جو حقیقی معنی کو بدلنے متقاضی ہو۔

مگر یہاں ایسا نہیں کیونکہ یہاں حقیقی معنی بھی درست ہوسکتا ہے، پھر اس کی مجازی معنی کی طرف جانے کی کیا ضرورت ہے یعنی اس قطعہ کا مطلب یہ ہوا کہ باجماعت نماز مکمل ثواب وہ حاصل کرسکتا ہے جو کم از کم پوری ایک رکعت میں پہنچ جائے جیسا کہ دوسری احادیث اس طرح کی آتی ہیں جن میں صراحتا رکعت کا ہی بیان ہے یعنی پوری رکعت ملنے سے نماز مل گئی باقی سجدہ وغیرہ کے ملنے سے رکعت نہیں ہوگی اور نہ ہی پوری نماز باجماعت کو پہنچ سکے گا۔

اب بتایا جائے کہ آخر اس معنی میں کون سی خرابی ہے جو خوامخواہ لفظ کو اپنی حقیقی معنی سے نکال کر مجازی معنی پر محمول کیا جاتا ہے؟ اور یہ حقیقت ہے کہ جو بات یا امر یا حقیقت طے شدہ ہو ان کو محض احتمالات سے گرایا نہیں جاسکتا اور یہ بات بھی اہل علم سے مخفی نہ ہوگی کہ ((اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال)) یعنی احتمال آگیا تو دلیل لینا باطل ہوجائے گا۔

مطلب کہ جب نماز میں قیام (کھڑا ہونا) اور الحمد کا پڑھنا (اہلحدیث کے پاس) فرض ہے اور نماز کا رکن ہے اور یہ بات ایک طے شدہ اور فیصل حقیقت ہے تو ان فرائض کو اس حدیث سے کیسے گرایا جاتا ہے؟ اور گرانا بھی ایسی حدیث سے جس کی سند بھی صحیح نہیں اور متن میں ایک دوسرا احتمال ہے (یعنی حقیقی معنی پر حمل) جس سبب کے بناء پر یہ حدیث اپنے مفروضے اور دعوی کی ہوئی معنی میں بھی نص نہ رہی (بلکہ خود حقیقی معنی والا احتمال اور بھی زیادہ قوی ہے جیسا کہ پہلے عرض کرچکا ہوں۔) تو پھر اس محتمل عبارت سے ایک بھی نہیں دو فرضوں کو گرایا جاتا ہے یہ بے انصافی ہے ایک فرض اور رکن کو ساقط کرنے کے لیے دلیل بھی ایسی ہی مضبوط اور نصا ہو نہ کہ ایک محتمل عبارت کا حامل اور وہ بھی ایسے احتمال کا حامل جو کافی بعید احتمال ہے۔ (کیونکہ مجازی معنی کا حامل ہے) اور اس طرح کا طرز عمل قواعد علمیہ کے خلاف ہے اگر اس طرح عام راستے نکالیں گے تو پھر ہر کوئی کسی نہ کسی محتمل عبارت سے دلیل لے کر اللہ کے فرائض سے جان چھڑالے گا۔ پھر فرائض کی کیا اہمیت رہی بہرحال حدیث سند کے اعتبار سے تو قابل حجت نہیں ہے مگر متن بھی مزعومہ پر قطعی دلیل یا نص نہیں ہے۔

تیسری دلیل : ...... حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث پش کی جاتی ہے اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ رکوع میں تھے تو حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ آئے تو آتے ہی صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع کیا پھر آگے بڑھے (رکوع کی حالت میں ہی) اور جاکر صف میں شامل ہوئے سلام کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کس نے کیا ہے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے رسول میں نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا آپ کے حرص کو (دینی کاموں میں) بڑھائے پھر ایسے نہ کرنا۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ یہ صحابی رکوع میں شامل ہوا پھر آپ ﷺ نے اس کو اس رکعات لوٹانے کا حکم نہ دیا کہا جائے گا وہ رکعت ہوگئی۔

یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے اور بخاری میں موجود ہے لیکن اس میں ان کے دعوی کا ثبوت ملنا مشکل ہے۔ کیونکہ جس طرح اس حدیث میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو اس رکعت کے دہرانے کا حکم دیا اس طرح اس حدیث میں یہ بھی بیان نہیں ہے کہ اس صحابی نے اس کو رکعت کو نہیں دہریا مطلب کہ دونوں ہیں تو جس طرح یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ اس نے رکعت نہ پڑھی ہو۔ یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ اس نے دہرائی ہو اس لیے کہ صحابہ کو یہ بات معلوم تھی کہ قیام فاتحہ کا نماز میں پڑھنا فرض ہے، چونکہ یہ بات پہلے ہی متحقق تھی اس لیے راوی نے یہ ذکر ہی نہیں کیا کہ کیونکہ دستور ہوتا ہے کہ جو بات پہلے ہی معلوم ہوتی اس کے ذکر کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی البتہ جو بات نئی پش آتی ہے اس کو ذکر کیا جاتا ہے لہذا یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے یہ رکعت دہرا کر پڑھی ہو پھر چونکہ یہ بات (یعنی قیام اور سورۃ فاتحہ کے سبب رکعت کا دہرانا) تو پہلے ہی معلوم تھا اس لیے اوپر والے راوی نے اس بات کو ذکر ہی نہ کیا البتہ یہ بات جو نئی تھی۔ یعنی حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کا صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع کرنا پھر رکوع ہی کی حالت میں چلتے ہوئے صف میں شامل ہونا اور حضور اکرم ﷺ کا اس طرح کرنے سے منع کرنا ذکر کیا جب اس رکعت کے متعلق یہ دونوں احتمال ہوسکتے ہیں۔

(کیونکہ ذکر کسی بات کا نہیں اور عدم ذکر عدم وجود کو لازم نہیں ہے) تو پھر یہ بتایا جائے کہ یہ حضرات یہ یقین سے کیسے کہتے ہیں کہ اس صحابی نے اس رکعت کو نہیں دہرایا بلکہ صرف کسی بنی مزید بات کا ذکر نہیں پھر کیا یہ عالم الغیب ہیں جو ان کو معلوم ہوگیا کہ واقعی اس صحابی نے رکعت نہیں دہرائی اور اگر یہ عالم الغیب نہیں ہیں اور یقینا نہیں ہیں تو پھر یہ قطعی حکم لگانا کہ اس صحابی نے رکعت نہیں دہرائی اور آپ ﷺ نے اس کو دہرانے کا حکم بھی نہ دیا اور اس بنائے ہوئے مفروضے پر پھر یہ متفرع کرنا کہ بس اس سے ثابت ہوا کہ رکوع سے رکعت ہوگئی یہ کتنی ہی عجیب بات ہے ۔ اصل بنیاد ہی ثابت نہیں تو پھر جو ان پر تفریع کی جاتی ہے وہ کہاں سے ثابت ہوگی ۔ کیا کتاب وسنت سے جو باتیں فرض ہوتی ہیں وہ صرف کچھ موہوم احتمالات کی بناء پر ساقط کردی جائیں گی ؟

اس کے علاوہ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ وہ صحابی صف سے باہر رکوع کرتا ہوا آیا پھر آکر صف میں شامل ہوا کیا یہ حضرات اس فعل کو جائز کریں گے یعنی دوسرا کوئی اس طرح کرے کہ امام رکوع میں جائے پھر مسبوق مسجد میں داخل ہوتے ہی دور سے رکوع کرتا ہوا آئے ، اور صف میں شامل ہوجائے کیا اس طرح جائز کہیں گے ؟

بالکل نہیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو منع کردیا کہ ایسا نہیں کرنا یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''زادک اللہ حرصا ولا تعد '' اللہ آپ کے حرص کو (دینی کاموں میں) بڑھائے آئندہ ایسے نہ کرنا اب جب ایک بات سے آپ ﷺ نے منع فرمایا (یعنی اس نے کیسے پھر کیا لیکن آپ ﷺ نے اس طرح کرنے سے آئندہ کے لیے روک دیا تو پھر روکے ہوئے کام کو کیسے جائز کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ اس صحابی کی روایت میں اس طرح پھر آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے سوال کرنے پر اس نے جواب دیا کہ :

((نعم جعلنی اللہ فداک خشیت ان تفوتنی رکعۃ معک فاسرعت المشی))

''یعنی ہاں اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالی مجھے آپ پر قربان کرے مجھے خوف ہوا کہ مجھ سے رکعت فوت نہ ہوجائے اس لیے چلنے میں جلدی کی ۔ ''

یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس صحابی کا مطلب تھا کہ اگر میں رکوع میں شامل ہوگیا تو رکعت فوت ہوگی ، اس لیے چلنے میں جلدی کی کہا جائے گا کہ یہ صحابی رکوع میں شامل ہونے سے رکعت ملنے کا قائل تھا ۔ آپ ﷺ نے اس پر رد نہ کیا ۔ یہ ہے ان کی دلیل کا خلاصہ ۔

لیکن اول تو سوچنے کی یہ بات ہے کہ حدیث کا یہ ٹکڑا جو اپنے دلیل میں پیش کیا جاتا ہے ، ان کی سند کہاں ہے یہ عجیب انصاف ہے کہ ایسے زبردست مسئلے میں جس میں دو فرض گرتے ہیں اس بے سند روایتیں لاکر معرض استدلال میں پیش کرتے ہیں کیا یہ افسوسناک حقیقت ہے ؟

اگر اہل حدیث حضرات بھی اپنے مسائل کو ثابت کرنے کے لیے یہ طرز عمل اختیار کریں گے اور اس قسم کے بے سند دلیل اور روایتیں پیش کریں گے تو پھر بیچارے مقلدین کے لیے بجا ہے ۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتنی جگہوں پر حنفی حضرات کچھ احادیث پیش کرتے ہیں تو اہل حدیث علماء ان کو کہتے ہیں کہ ان احادیث کی سند نہیں ہے یا تو سند پیش کرو یا پھر دلیل معرض احتجاج میں پیش نہ کرو اور یہ بات واقعی کے اعتبار سے بھی صحیح ہے ۔ پر اس مسئلے میں وہ اپنے اس مسلک اور صحیح اصول کو کیوں بھول جاتے ہیں ۔ کیا یہ نمونہ ''خود را فضیحت دیگراں را نصیحت '' کے مصداق نہیں ہے مجھے تو یہ ٹکڑا کسی بھی ایسی حدیث کی کتاب سے نہیں ملا جس میں اس کی سند بھی شامل ہو اور ظاہر ہے کہ اسناد کے سوا روایت بیکار ہے ورنہ اگر اسناد کی پابندی نہ ہوتی تو ہر کوئی اللہ کے رسول ﷺ کی طرف جو چاہتا وہ نسبت کرتا اور دین کی صورت کیا سے کیا ہوجاتی ۔

بہرحال جو بھی اس قطعہ سے استدلال کرتا ہے اول تو اس کو اس قطعہ پر مشتمل حدیث کو کسی مستند کتاب سے یا اسناد نقل کرنی چاہئے ، پھر استدلال میدان میں آکر پیش کرے پھر دیکھیں کہ اس کی سند قابل حجت ہے یا نہیں لیکن اگر اس کی سند پیش نہ کرسکے تو پھر ان سے استدلال کرنا اپنی جہالت ظاہر کرنا ہے یا تجاہل عارفانہ کرکے محض فتوی کو ثابت کرنے کی کوشش اور یہ دونوں باتیں مذموم ہیں اور کوئی بھی ان کو اچا یا صحیح نہیں کہے گا ۔

دوسری بات یہ کہ یہ ٹکڑا آپ ﷺ کے صحابی نے سوال کے جواب میں پیش کیا سوال یہ تھا ۔ (جو اس حدیث میں مذکور ہے) کہ

((انت اَحب ہذا النفس))

''کیا تو نہیں تھا جو اس طرح سانس لے رہا تھا ۔ ''

یعنی صحابی نے جلدی کی تھی اس لیے سانس لے رہا تھا لہذا آپ ﷺ نے اس کے سانس لینے کی آواز سنی اور پوچھا کہ تو ہی سانس لے رہا تھا) مطلب کہ صحابی سے دو غلطیاں صادر ہوئی تھیں ایک تو نماز کی طرف چلنے میں جلدی کر رہا تھا حالانکہ اس کو حکم تھا کہ نماز کی طرف آو تو آرام اور وقار سے ، جلدی نہ کرو پھر جو نماز ملے وہ پڑھو اور جو فوت ہوجائے وہ پوری کرو اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا :

((صل ما اَدرک واقض ما سبقک))

''یعنی جلدی نہ کر چلنے میں تیزی نہ کر باقی جو نماز ملے وہ ادا کر جو فوت ہوگئی وہ پوری کر ۔ ''

دوسری غلطی یہ تھی کہ صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع کرتے ہوئے آکر صف میں شامل ہوا اس لیے یہ ارشاد فرمایا کہ :

''زادک اللہ حرصا ولا تعد''

''اللہ آپ کے حرص کو بڑھائے آئندہ ایسے نہ کرنا ''

اب ان حقیقتوں کو ذہن میں رکھ کر غور کریں کہ اصل معاملہ کیا تھا ، یعنی اصل معاملہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابی مسجد میں داخل ہوا تو آپ ﷺ ابھی تک قیام میں تھے لہذا صحابی نے دوڑ لگائی تاکہ رکعت فوت نہ ہو لیکن وہ صف سے دور تھے کہ آپ ﷺ رکوع میں چلے گئے یہ تھا ان کا بیان جو آپ ﷺ نے جلدی کرنے کے سبب اور سانس لینے کے بارے میں دریافت کیا ۔ مگر جب صحابی نے دیکھا کہ رکعت تو گئی پھر ارادہ کیا کہ رکوع تو نہ جائے کیونکہ اگرچہ رکعت تو پوری نہ ہوئی مگر امام کے ساتھ کسی بھی رکن میں شامل ہونے پر کم از کم ثواب تو ملے گا اس لیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جس حالت میں دیکھو اس میں شامل ہوجاو قیام کی حالت میں یا رکوع کی حالت میں یا سجدہ کی

حالت میں جس حالت میں ہوں تم بھی ان میں شامل ہوجاو۔

مطلب کہ امام جس حالت میں ہو مسبوق کو اس میں شامل ہونا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ سجدے میں شامل ہونے والا رکعت کو بالاتفاق نہ پہنچ سکا، لیکن حکم یہی ہے کہ اس حالت میں امام کے ساتھ ہوجاو تاکہ سجدے میں شمولیت کا ثواب تو نہ جائے گو رکعت دہرانی پڑے اس لیے اس صحابی نے بھی یہ خیال کیا کہ رکعت تو گئی اب آپ ﷺ کے ساتھ رکوع میں شامل ہوجاوں تاکہ اس کا تو ثواب حاصل ہو، یہ سبب تھا دوسری غلطی کا یعنی صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع کرتے دوڑ لگانا۔

دوسرا یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ صحابی کا یہ مطلب تھا کہ حضور ﷺ سمجھے یہ خوف ہوا کہ کہیں مجھ سے رکوع نہ نکل جائے کیونکہ ان کے ملنے سے اگرچہ رکعت تو نہیں ملی لیکن اس میں شامل ہونے سے کم سے کم ان کا تو ثواب ملے گا۔ تب جلدی کی اس احتمال کے مطابق اس قطعہ میں جو لفظ رکعت کا ہے اس کے معنی رکوع ہوگی اور یہ معنی اس کا حقیقی نہیں ہے بلکہ مجازی ہے مگر یہاں ان کے لیے قرینہ ہے وہ یہ ہے کہ آپ رکوع میں جاچکے تھے لہذا خطرہ بھی اس کی فوت ہونے کا ہوسکتا تھا نہ کہ رکعت بمعنی حقیقی معنی کے، کیونکہ یہ تو رکوع میں جانے سے فوت ہوچکی تھی پھر اس کے فوت ہونے کے خوف کا کیا معنی اس پر خوب غور کرو، اس کے علاوہ ان ساری باتوں یا احتمالات سے قطع نظر بھی کیا جائے تو بھی اس قطعہ کے آخر میں (جسے دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے) یہ الفاظ ہیں کہ "واقض ماسبقک "یعنی جو فوت ہوچکا رکعت وغیرہ اس کو پوری کرو۔ یہ الفاظ تو خود ہمارے مسلک کی واضح تائید کرتے ہیں۔

یعنی آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اپنی فوت شدہ یا رہی ہوئی رکعتوں وغیرہ کو پوری کرو اس سے یہ تو ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اس کی رکعت ہوگئی۔ اس طرح الحمدللہ سارا اشکال اور اعتراض رفع دفع ہوگیا۔

خلاصہ کلام :...... اس قطعہ والی روایت جو پیش کی جاتی ہے اول تو اس کی سند نہیں ہے۔ لہذا حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔ اس کے بعد اس کے متن میں دوسرے بھی احتمال موجود ہیں (ان کے پیش کئے ہوئے احتمال کے علاوہ) اور جب تک ان احتمال کو غلط ثابت نہ کیا جائے تب تک ان کا استدلال صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ ایک تو ہمارے احتمال قواعد شرعیہ اور ثابت شدہ اصول سے بالکل موافق ہیں اور دوسرا "اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال" اس کے علاوہ اس کے آخر میں جو الفاظ ہیں وہ ہمارے مسلک کی تائید کرتے ہیں۔ جیسے اوپر تفصیلا گزر چکا ہے۔

مطلب کہ یہ ٹکڑا تو قابل استدلال نہیں ہے رہی بات اصل حدیث حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ والی کی تو وہ اگرچہ صحیح ہے لیکن اس سے مزعومہ اور مفروضہ دعوی پر دلیل تب ہی لی جاسکتی ہے جب اس حدیث سے یہ ثبوت ملے کہ واقعی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے یہ رکعت نہیں دہرائی اور دوسری حضور اکرم ﷺ جن کو اس بات کا پتہ بھی چلا مگر آپ ﷺ نے اسے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ جب تک ان دونوں باتوں کو صحیح حدیث یا سند سے ثبوت مہیا نہیں کیا جاتا تب تک یہ دلیل نہ تمام ہے اور حجت کے قابل ہی نہیں ہے ان کو استدلال کے درمیان میں لایا جائے۔ یہاں مخالفین کے دلائل پر کلام مکمل ہوا۔ واللہ اعلم !

اس کے بعد ہمارے دلائل پر غور کریں اگرچہ ضمنا اوپر والے کلام میں ہی آپ کو اصل حقیقت کا کماحقہ ادراک ہوچکا ہوگا، پھر بھی یہ بات تقویت دینے کے لیے دو مزید دلائل پیش کرتے ہیں اور حدیث بھی صحیح ہے۔ (بخاری کی روایت ہے) کہ

((إذا أتيتم الصلاة فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فاتموا))

"یعنی جب نماز کی طرف آو تو جتنی نماز ملے وہ پڑھو (جماعت و امام کے ساتھ) اور جتنی فوت ہوجائے اس کو پورا کرو۔"

اس سے دلیل اس طرح لی جاتی ہے کہ جو رکوع میں آکر ملتا ہے اس سے قیام اور سورہ فاتحہ دونوں فوت ہوگئے لہذا ان کو امر موجب (اور امر وجوب کے لیے ہی ہوتا ہے لا مع قرینہ) ان فوت شدہ کا (قیام و فاتحہ) کو پورا کرنا ہے یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب رکعت دہرائی جائے یہ حدیث بالکل صحیح ہے اس کے اوپر کوئی بھی غبار و کلام نہیں ہے اور اس کے مقابل دوسری کوئی بھی دلیل نہیں ہے جس کے لیے اس سے تحقیق کرکے اسے (رکوع کو) باہر نکالا جائے۔

دوسری دلیل آپ ﷺ نے فرمایا :

((لاصلاة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب)) (بخاری و مسلم)

"یعنی جس نے الحمد نہ پڑھی ان کی نماز ہی نہ ہوئی۔"

یہ بھی حدیث صحیح ہے صحاح ستہ میں موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس رکعت میں الحمد نہ پڑھی جائے وہ نہیں ہوئی اور رکوع میں ملنے والے سے الحمد فوت ہوگئی لہذا ان کی رکعت بھی نہ ہوئی جب نہ ہوئی تو دہرائے گا۔

چوتھی دلیل : ...... الحمد اور قیام فرض اور نماز کے اہم رکن ہیں قیام کے متعلق تو احناف حضرات بھی فرضیت کے قائل ہیں لیکن فاتحہ کے متعلق وہ فرضیت کے قائل نہیں ہیں۔

اہلحدیث دونوں کی فرضیت کے قائل ہیں اب ایک چیز جو صحیح حدیث سے فرض ثابت ہوچکی ہے اس کی فرضیت کچھ حالتوں میں ساقط ہونے کے لیے دلیل بھی ایسی ہی قوی ہونی چاہئے جیسے فرضیت کے لیے موجود ہیں صرف احتمالی باتوں سے یا کمزور اور بے سند دلائل سے ان کی فرضیت گرانا جائز ہے اور نہ مناسب بلکہ انتہا درجے کی جرات ہے جسے اہل علم و عقل کبھی بھی جائز نہ رکھیں گے اور اوپر تفصیل سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ اول تو کوئی صحیح دلیل کسی صحیح حدیث سے ہی ملتی ہے لیکن اگر حدیث صحیح ہے تو اس میں ان کی مزعوم دعوی کا ثبوت ملنا مشکل نہ پر محال ہے پھر ایسے احتمالی دلائل یا ناتمام حجتوں اور بے ثبوت حدیثوں سے ان ارکان کی فرضیت ساقط کرنے کے لیے ہمارے اہل حدیث آمادہ ہیں تو اس سے تو بہتر ہے کہ ان ارکان کی فرضیت کا (نماز میں) ہی انکار کردیں باقی ان کو فرض بھی کہنا پھر ان کی فرضیت ایسے کمزور دلائل سے گرانا ایسا طرز عمل ہے جسے کم از کم میں تو نہیں سمجھ سکتا باقی غرباء اہل حدیث والے کہتے ہیں کہ جس ہستی (حضور اکرم ﷺ) نے ان کی فرضیت بیان کی ہے اس نے رکوع میں ملنے کے لیے پوری رکعت ملنے کا حکم کیا ہے یہ بات انتہائی عجیب ہے کیونکہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں ظاہر ظہور اور وضاحت سے آیا ہے کہ آپ ﷺ نے مدرک الرکوع کو مدرک الصلاۃ قرار دے دیا۔

حالانکہ ایسی قولی دلیل مضبوط تو کوئی بھی نہیں رہی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ والی پہلی حدیث اس میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ انہوں نے یہ رکعت دہرائی یا نہیں جب تک یہ باتیں ثابت نہ ہوں تب تک دعوی ثابت نہ

ہوگا، پھریہ حضرات حضوراکرم ﷺ کی طرف یہ بات کیسے منسوب کرتے ہیں جس کی نسبت کرنا یقینی نہیں کاش ہمیں صحیح علم ہوبس اس پر میں اکتفا کرتا ہوں۔

جواب کافی طویل ہوگیا ہے لیکن کیا کریں اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت بھی نہیں تھی امید ہے کہ آپ اس کو غوراورانصاف سے پڑھیں گے تو حق بات آسانی سے آپ کو معلوم ہوجائے گی۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

فتاویٰ راشدیہ

صفحہ نمبر 272

محدث فتویٰ